

جھلسنی ہوئی اکلوتی فاختہ کو کو کو کی دبائی مجاہدی۔ فاختہ کی آواز سنان کے لیے ایک گرم اور تپتی دوپر کی علامت بن گئی۔
”مسو گئے ہو؟“ پاسکل نے رسالے کا کونا اٹھا کر جھانکا۔ اس کی آنکھیں نیدر سرخ ہو رہی تھیں۔

سنان نے آنکھیں کھول دیں اور پاسکل کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ اپنے اپ کو بے حدست اور بلکا چھلکا سامحسوس کر رہا تھا اسے یوں لگا جیسے وقت ٹھہر گیا ہو۔ ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر ساکت ہو کر رہ گئی ہو۔ دریا میں پڑی ہوئی دو ساکن کنڈیاں ہیں اور۔۔۔ پاسکل کا سفید لباس ہے۔ زرد گلاب۔۔۔ بس!

”کیا تم پاکستان میں بھی مچھلیاں پکڑنے جایا کرتے تھے؟“ پاسکل نے کندھیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

سنان اس سوال کا جواب دینے کے لیے بچپن کی حدود تک چلا گیا۔ اس کی نظبوں کے سامنے دھول میں انا ہوا ایک گرم اور دور افتادہ گاؤں ابھرنے لگا۔

”اب تو کبھی اتفاق نہیں ہوا البتہ بچپن میں جب گرمیوں کی چھٹیاں ہوتیں تو میں اپنی نانی اماں کے پاس گاؤں چلا جاتا تاکہ وہاں کے پرسکون ماحول میں سکول میں دیا ہوا چھٹیوں کا کام کرنے میں آسانی ہو۔ چونکہ ان دونوں وہاں بھلی وغیرہ تو تھی نہیں اس لیے ہمارے کچے مکان کے کوٹھے پر دو چار پائیاں ایک دوسرے کے سارے ترجمہ کھڑی کر دی جاتیں اور ان کے نیچے زمین پر ایک دو ہرا کھیس بچھا دیا جاتا۔ اس ملن کھلی فنا میں ایک خیمه ساتیار ہو جاتا جہاں تیز دھوپ سے بچاؤ ہوتا اور گرم ہوا بھی لگتی رہتی۔ میں چند روز تو پوری دلجمی سے وہاں بیٹھ کر صبح سے شام تک حساب کے سوال حل کرنے اور جواب مضمون لکھنے میں گزارتا اس کے بعد میری نظریں بے اختیار مسجد سے پرے جلاہوں کے گھروں کے ساتھ واقع گدلے جوہر کی طرف لئے لگتیں۔ ان دونوں مچھلی پکڑنے کا کافی ایک آنے میں مل جاتا تھا۔ بانس جوہر کے کنارے سے توڑ کر لے آتا اور ڈوری نانی اماں بٹ دیتیں۔ چلتے وہ نوے فرائک والا مچھلی

پوئے کا سامانِ کامل ہو گیا۔ مچھلی پھانسے کے لیے نقلی مینڈک اور کیرے مکوڑے دنیروں تولتے نہ تھے۔ اس لیے میں اصلی کینچوں کی تلاش میں فابجو جاٹ کے مالتوں کے باغ کے پہلو میں بھی ہوئی پانی کی نالی پر چلا جاتا۔ میں اپنے نسخے منے ہاتھوں سے نالی کی نم اور سیلی مٹی کھو دتا تو نرم کینچوے ادھر سے رینگ کر ادھر سا جاتے۔ میں انہیں دم سے پکڑ کر مٹی سے باہر نکالنے کی کوشش کرتا تو ان میں سے اکثر ٹوٹ جاتے۔ ان قیمتی کینچوں کو گیلی مٹی کے ساتھ ملا کر کپڑے کی ایک قیلی میں ڈال کر داہیں جوہڑ پر آ جاتا۔ جوہڑ کے کنارے بے حد اوپھے تھے اور جون جولائی کے البتہ ہوئے سورج کی حدت سے ان پر بیٹھنا مشکل ہو جاتا۔ بہر حال میں جھوولی میں سے اپنا سارا سامان نکال کر زمین پر رکھتا اور پھر بڑے پیار سے ایک کینچوا نکال کر اس کے دو گلے کر لیتا آدھا کینچوا کا نئے پر کھینچ کر اسے تھوک سے بھگوتا اور جوہڑ کے گدلے کاں زدہ پانی میں ڈال دیتا۔ اس کے بعد میری آنکھوں سے جھپکنے کا عمل غائب ہو جاتا میں پوری گرم دوپر دیدے پھاڑے بانس کے تنکے پر نظریں جائے اکٹھوں بیٹھا اس کی زیکری کھلنے کا انتظار کرتا رہتا۔ اس سے پہلے میں کنارے کے ساتھ ایک گڑھا کھود کر اس میں پانی بھر دیتا تاکہ شکار کی گئی مچھلیاں اس میں رکھی جاسکیں مگر اس کی نیت کم نہ آتی۔ کبھی کبھار کوئی کچھوا میری قیمتی کندھی ہڑپ کر کے بانس اور ڈوری سمیت جوہڑ کے گدلے پانی کی نہ میں جا بیٹھتا۔ تم نے کبھی کچھوا دیکھا ہے پا سکل؟“

پا سکل کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔ وہ سوچکی تھی۔

سنان آہستہ سے اٹھا اور دریا کے کنارے چلا گیا۔ کندھیوں کو پانی میں سے نکال کر اپھی طرح دیکھا۔ نقلی مینڈک جوں کے توں تھے انہیں مچھلی نام کی کوئی چیز چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔

دہاں سے کچھ دور دریا کے کنارے پر دو نہایت موئے فراصی اور ان کی اتنی عالمی یوں یاں پکنک منا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک چھوٹی سی لڑکی پانی میں پاؤں لٹکائے منہ بیٹھے بیٹھی تھی۔ گھاس پر بچھے ایک سفید کپڑے پر خوراک کی ٹوکریاں اور

سرخ فرانسیسی شراب کی متعدد بوتلیں رکھی تھیں۔ عورتیں اونڈھی لیٹی دھوپ پرک
رہی تھیں اور مرد خاموشی سے اخبار پڑھنے کے ساتھ ساتھ بوگلوں سے منہ لگائے
شراب بھی پی رہے تھے۔ ان کے سامنے بندھی ہوئی کشتی پر جو شاید ان کی اپنی قیمت
چھلی کپڑنے والی چند کنڈیاں پانی میں پڑی تھیں۔ ایک مرد نے شراب کی غالی بولتی دریا
میں پھینکی جو غرباً پ سے پانی میں ڈوب گئی۔ ہلاک سارتعاش پیدا ہوا اور پھر ہر
خاموشی چھا گئی۔

سان نے نعلیٰ مینڈکوں کو ایک مرتبہ پھر مضبوطی سے کنڈیوں کے ساتھ لگایا اور
انہیں بے ولی سے پانی میں پھینک کر واپس چلا آیا۔ پاسکل ابھی تک سوری تھی۔ دریا
کی جانب سے ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ درختوں کے چبوں میں ہلاک سا شور ہوا اور پھر وہی
سکوت طاری ہو گیا۔ سان نے اپنا نیلا کوٹ ڈکر کے سر کے نیچے رکھا اور گھاس پر لیک
گیا اور پھر جانے کب نیند نے اسے اپنی ٹھنڈی اور آرام دہ آغوش میں لے کر تھپک
تھپک کر سلا دیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو درختوں کے چبوں میں سے چکنے والی سورج کی تیز روشنی میں
نماہش آچکی تھی۔ اس نے کوٹ بدل کر دوسرا جانب دیکھا۔ وہاں صرف اس کی
کنٹتوں سے بھر پور سفید برساتی سکھی پڑی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پاسکل دریا کے
کنارے پانی میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ وہ کنڈیوں کو پانی میں سے نکال کر اٹ پلک
کر دیکھتی اور پھر واپس ڈال دیتی۔ دوپر ڈھل چکی تھی اور درختوں تلے اب قدرے
نیکل کا احساس ہو رہا تھا۔ سان نے خوراک کی نوکری اور برساتی اٹھائی اور دریا کے
کنارے کی طرف چل دیا جہاں ابھی تک دھوپ تھی۔ پاسکل نے اس کے قدموں کی
آہست سن کر اپنی گردن کو ہلاک سا ساخم دے کر پیچھے دیکھا اور پھر مسکرا کر منہ پھیر لیا۔ اس
نے کنارے کے ساتھ برساتی بچھا دی اور خوراک کی نوکری وہاں رکھ کر خود پاسکل کے
ساتھ آبیٹھا۔

دریا کی سطح پہلے کی طرح پر سکون تھی مگر غبار کی ہلکی ڈجو دوپر کو پانی کے اپنے

محل تھی اب موجود نہ تھی۔ سورج کی کرنوں میں پیلاہٹ کا غصر نمایاں ہو رہا تھا۔ پاسکل اپنے پاؤں کو خم دے کر کنارے کی گدی مٹی ناخنوں سے کریدتی تو وہ کچڑ آکدو ہو جاتا۔ پھر وہ اپنا لباس اور سخنچ کر پاؤں پانی میں ڈال کر ہلاتی تو کچڑ دریا کی سوت رو بروں سے آہستہ آہستہ گھلتا اور اس کا شفاف پاؤں دھل کر ایک سفید مجھلی کی طرح نیزے لگتا۔

پاسکل نے نظر اٹھا کر سنان کی جانب دیکھا۔

”اس خراشت بوڑھے نے ہمیں مجھلیاں پہنانے کے لیے جو نقطی مینڈک دیے تھے وہ استعمال شدہ ہیں“ اس نے لوہے کا مینڈک سنان کو دکھاتے ہوئے سرہلا کر کما ”ان کا رنگ اتر چکا ہے اس لیے مجھلیاں فوراً پہچان جاتی ہیں کہ یہ اصلی نہیں ہیں۔“ ”اصلی مینڈک تو اہل فرانس ویسے ہی شام کے کھانے پر ہڑپ کر جاتے ہیں“ سنان نے ہنس کر کہا۔

”اس وقت مجھے اتنی بھوک لگ رہی ہے کہ اگر اور کچھ کھانے کو نہ ملا تو شاید میں یہ لوہے کا مینڈک ہی کھا جاؤں“ اس نے پیٹ پر ہتھیں جما کر منہ بنا لیا۔ ”اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی“ سنان وہاں سے اٹھا اور توکری میں خوراک نکال کر بر ساتی پر رکھنے لگا۔

پاسکل ابھی تک پانی میں پاؤں ڈالے بیٹھی تھی۔

”وہ مینڈک اگر اصلی نہیں ہیں تھا را پاؤں تو سچ مجھ کا ہے نا“ کوئی نہ کوئی مجھ ضرور کاٹ لے گی۔“

”مجھ؟“ پاسکل نے ایک دم پاؤں باہر نکال لیے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے کرنے لگی ”سنان پلیز ذرا میری مدد کرو۔“

سنان نے آگے بڑھ کر اس کے بازو تھام لیے اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے سفری لباس پر جا بجا کچڑ لگا ہوا تھا۔

”اتنے اچھے لباس کا تم نے یہاں بیٹھ کر ستیا ناہ کر لیا ہے“ سنان نے زمین پر

بیٹھ کر رومال سے لباس پر لگا ہوا کچھ صاف کرنا شروع کر دیا۔

”نئیں سنان“ پاسکل نے اس کا ہاتھ کپڑا لیا ”اس لباس کو یونہی میلا کچھ لیا اور کچھ سے بھرا ہوا رہنے دو۔“

”وہ کیوں؟“ سنان کھڑا ہو گیا۔

”تمارا دیا ہوا زرد گلبہ کا یہ پھول ہمیشہ اس کچھ آلوں لباس پر لگا رہے گا۔ اس کی شکنیں مجھے اس خوبصورت دوپہر کی یاد دلائیں گی جب میں تماری برساتی پر لٹھ دوختوں کے چمدرے پتوں میں کرنوں کی جملہ دیکھ رہی تھی۔ اس پر لگی ہوئی یہ گھاس چند پتے مٹی اور پھر یہ کچھ مجھے بوئے ڈی بولون میں سین کے کنارے تمارے ساتھ گزارے ہوئے آج کے دن کی یاد دلائیں گے۔ ان سب میں یادوں کی ملک رج گئی ہے۔

سنان نے کچھ سے بھرا ہوا رومال جیب میں ڈال لیا۔

”تم نے خود ہی تو کما تھامیں کل کے بارے میں نہیں سوچا کرتی۔“

”یہ کل کی بات تو نہیں سنان۔ یہ تو آئندہ صدیوں کے تذکرے ہیں۔“

”بہر حال“ سنان برساتی پر بیٹھ گیا ”تم ضرور اس کچھ آلوں لباس کو جوں کا توں سنبھال کر رکھ لو مجھے کوئی اعتراض نہیں بلکہ یہ محمد بک الجزایری کا دیا ہوا ایک بھی آئندہ صدیوں کے لیے رکھ چھوڑو!“

”یہ تو ابھی کھایا جائے گا“ پاسکل کو ایک دم اپنی بھوک یاد آگئی اور وہ سنان کے پاس آیا۔

کھانے کے بعد سنان نے سگرٹ سلاگا لیا۔ اب شام ہونے کو تھی۔ درختوں کے سامنے لبے ہو کر دریا کے درمیان تک چلے گئے تھے۔ سامنے والے کنارے پر بیٹھ ہوئے لوگ بھی جا چکے تھے۔ کشتی پر آیا ہوا فرانسیسی خاندان بھی اب دہاں موجود شہر تھا۔ بوئے ڈی بولون اور دریائے سین کے کناروں پر ایک ہلکی سرمئی چادر بچھ لئے تھی۔ ہوا اب تدرے تیز ہو چکی تھی اور خنکی خونگوار ہونے کی بجائے اب ہلکے لئے

بُن کو کاٹ رہی تھی۔ پاسکل اپنے دونوں بازو آغوش میں سپینے گھننوں پر سر رکھے دریا کی سطح پر نظریں جمائے کچھ سوچ رہی تھی۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اس نے ایک جھر جھری سی لی۔ سنان نے گھاس پر پڑی برساتی اٹھا کر اسے اوڑھا دی اور اپنا بازو اس کے کندھوں پر رکھ دیا۔ پاسکل سمت کر اس کے ساتھ آگئی۔ اس کی دودھیا باہوں میں سے نم سگ مرمر کی خوبیوں اٹھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد سنان نے پاسکل کی جانب دیکھا تو اس کی نظریں بدستور دریا کی سطح پر جی تھیں۔ اس نے کنارے سے بھر بھری مٹی کا ایک ڈھیلا اٹھا کر عین اس جگہ پھینکا جماں پاسکل دیکھ رہی تھی۔ ایک چھوٹا سا دائرہ ابھرا اور پھر پھیلتا ہوا اس کے قدموں میں آ لگا۔ پاسکل مسکرا دی۔

”کیا سوچ رہی ہو؟“ سنان نے پیارے پوچھا۔

”میں سوچ رہوں کہ کیا اس کرمس پر بھی میں اپنے کمرے میں کرمس کا درفت سجائے اکیلی ہی بیٹھی رہوں گی؟“ اس نے یہ فقرہ اس انداز میں ادا کیا جیسے وہ اس کا قطعی جواب سننا چاہتی ہو۔

”نہیں“ سنان نے اس کا کندھا آہستہ سے دبایا۔ ”تم اس مرتبہ بالکل اکیلی نہیں ہو گی پاسکل“

”اس کا مطلب ہے کہ — وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”اس کا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو پاسکل۔ جس طرح تم جسمانی طور پر محفوظ ہو اسی طرح دنیا کا ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے محفوظ ہوتا ہے۔ بعض اوقات مجروریاں بھی انسان کو اپاچ بنا دیتی ہیں۔“

”کیسی مجروریاں؟“ پاسکل کا چڑھا اتر گیا۔

”ایک مشرقی معاشرے کی مجروریاں“ سنان نے آہستہ سے کہا ”جنہیں شاید تم — ایک مغربی لوگی سمجھنے میں ناکام رہے۔ پاسکل پاکستان میں میرے ماں باپ اور بن بھائی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ میں چند ماہ میں

واپس لوٹ آؤں گا۔ میں ان کے پیار اور خلوص کے خوبصورت بندھوں میں بھی طرح جگڑا ہوا ہوں۔ یورپ میں تو ایسے مشقی پیار اور خلوص کو جانچنے کے لئے پہلے بھی نہ ہوں گے۔ مجھے ہر صورت واپس جانا ہے۔ میری بھین ایک ایسے بھائی کا انتقال کر رہی ہیں جو انہیں دنیا بہان سے پیارا ہے۔ میرے بھائی ایک ایسے دوست کے انتقال میں ہیں جس کے ساتھ وہ اپنا دکھ سکھ بانٹ سکیں۔ میرا باپ مجھے اس لئے اپنے پاس دیکھنا چاہتا ہے کہ میں اس کی کمزور باؤں کا سارا بن سکوں اور پھر میری ماں۔ وہ ایک بیٹھے کی راہ تک رہی ہے جس کے چہرے پر وہ سرے بجا ہاہنی ہے۔ مجھے ہر صورت واپس جانا ہے۔“

”اور اگر یہ تمام جذبات ایک ہی ہستی میں موجود ہوں تو؟— میں بھی تمہیں بے پناہ پیار کرتی ہوں۔ میں بھی تمہارے ساتھ اپنے دکھ باشنا چاہتی ہوں۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ تم میری کمزور باؤں کا سارا بن جاؤ اور۔— مجھے بھی زندگی کے طویل اور ازیت ناک سفر کے لئے ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ تم پھر کو گے کہ ایک پاکستانی لڑکی اپنے جذبات کا اطمینان اس طریقے سے نہیں کرتی۔ تم ہی پتاڑ سنان میں اور کیا کروں۔— تم خود جانتے ہو کہ میرے احساسات تمہارے بارے میں پسندیدگی اور صرف دوستی تک ہی محدود نہیں رہے۔ ان میں شدت آچکی ہے۔ ادھر تم نے کبھی بھی اپنے جذبات کا اطمینان مجھ سے نہیں کیا۔ سنان اگر تم صرف مجھے ایک مرتبہ پہ کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے تو میں ابھی اسی وقت یہاں سے چلی جاؤں گی لیکن اگر تمہارے دل میں میرے لیے تھوڑی سی جگہ بھی ہے تو پلیز کہہ دو۔ میں ترس گئی ہوں۔“

”پا سکل تمہیں معلوم ہے کہ پیرس آتے وقت گاڑی میں میں نے ہی تم سے لئے کی خواہش کا اطمینان کیا تھا۔“ سنان بے حد سمجھیدہ تھا اور رک رک کر باتیں کر رہا تھا۔ ”ایک خواہش جو پسندیدگی سے شروع ہوئی۔ پھر تمہاری طرح میرے احساسات بھی پسندیدگی اور دوستی کی حدیں عبور کر کے ایک طوفانی کیفیت سے دوچار ہو گئے۔ میں تم

ہے اپنے جذبات کا اکھمار جان بوجھ کر نہیں کرتا رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں ہر صورت پہل سے چلا جاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے جانے پر تم ایک مرتبہ پھر اتحاد مرائیوں میں ڈوب جاؤ۔“

”نان ایک صورت اور بھی تو وہ سکتی ہے“ پاسکل کی نیلی آنکھیں جذبات کی ثابت سے جل رہی تھیں۔
نان نے اپنی ہتھیلی سختی سے لبوں پر جالی۔ اسے معلوم تھا کہ پاسکل اب کیا کہنے والی ہے۔

”میں جب تمہیں پیرس میں رہنے کے لیے کہتی ہوں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ تم میرے پاس رہو۔ اور اگر تم میرے پاس رہو۔ کہیں بھی۔ کسی شر میں بھی۔ لاہور میں؟“

”نہیں پاسکل“ نان نے قدرے درستھی سے کہا۔

”مگر کیوں؟ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔“

”پیرس میں دریائے سین کے کنارے آج شب یہ حسین منصوبے بنا لیتا ہے حد آسمان ہے مگر وہاں لاہور میں گوالمندی اور چوبہشہ مفتی باقر جیسے علاقوں میں زندگی بسر کرنا ہے حد دشوار ہے۔ میں ایک درمیانے درجے کی حیثیت کا انسان ہوں۔ ایک یورپی بیوی کے لیے جن لوازمات کی ضرورت ہے وہ میں کبھی بھی میر نہیں کر سکوں گا۔“

”لیکن میں تو کچھ بھی نہیں مانگ رہی۔ میں اپاچ ہوتے ہوئے بھی گر کا سارا کام لاج خود کر سکتی ہوں۔ کل میں نے تمہارے لیے کافی اور سینڈوچ بنائے تھے تا! میں نوکری بھی کر لوں گی۔“

”پاسکل مجھے اپنے معاشرے کی اوجیخی کا علم ہے۔ ہمارے ہاں شادی صرف ایک فروز کی نہیں ہوتی۔ اس میں خاندان کے تمام افراد کی خواہشات کا داخل ہوتا ہے ایک کامیاب شادی کے لیے جہاں میاں بیوی کا باہمی اتفاق ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ

رشتہ داروں کی خوشنودی کا خیال رکھنا پڑتا ہے تم ایک اجنبی معاشرے کے فروی حیثیت سے اس میں ناکام رہو گی اور میں تمہیں کسی حال میں بھی سوگوار نہیں دیکھ سکتا۔

”تم اپنے خاندان سے علیحدہ کیوں نہیں رہ سکتے؟“

”یہ میرے بس کی بات نہیں۔ وہ میرے وجود کا لازمی حصہ ہیں۔ میں ان کے بغیر بھی خوش نہیں رہ سکتا۔“

”نان میں تمہاری زبان سیکھ لول گی۔ تمہاری معاشرت کو اپنا لول گی۔ تمہارے ہاں کی لڑکیوں جیسا لباس پہنوں گی۔ تم ہی نے تو کما تھا کہ میں جھسکے پہن کر بالکل ایک پاکستانی لڑکی لگتی ہوں۔“

”نہیں پاسکل۔۔۔ نہیں!“ نان نے بار بار سر ہلاایا۔

”پھر تمہارے جذبات میں اتنی شدت پیدا نہیں ہو سکی جو تمہیں سب کچھ چھوڑ کر میرے پاس رہنے پر مجبور کر دے۔“

”نہیں یہ بات نہیں پاسکل۔۔۔ مجھے تم سے بے انتہا محبت ہے اور اس احساس نے میرے اندر پہلی مرتبہ جنم لیا ہے۔ اس احساس کی وجہ سے میں تمہیں دیکھ نہیں دیکھ سکتا۔۔۔ مجھے معلوم ہے تم وہاں خوش نہ رہ سکو گی۔“

”اور اگر میں تمہارے ساتھ رہ کر دیکھی ہونا ہی پسند کروں تو؟“

”تو پھر تم مجھے بھی بے حد دیکھی کر دو گی۔“

”لیکن تم نے گفتگو کے آغاز میں یہ کیوں کما تھا کہ میں اس مرتبہ کر مس پر اکمل نہیں ہوں گی؟“

”میرا مطلب تھا کہ تمہارے پاس ان دونوں کی حسین یادیں ہوں گی۔ ایک خوبصورت احساس۔۔۔ جو بہت کم لوگوں کے نصیب میں ہوتا ہے۔ کیا تم اپنے آپ کو آج کا چمکیلا دن یہاں گزارنے کے بعد مختلف محسوس نہیں کرتیں؟ میں آج سے چھ روز پہلے کا نان نہیں رہا۔ تم میرے خیال اور میرے وجود کا ایک لازمی حصہ بن چکی۔“

ہو اور ہمیشہ رہو گی۔“

”صرف احساس اور یادوں سے روح کی تھائی دور نہیں ہو سکتی۔“

”ہو سکتی ہے پاسکل۔—کرمس کی شام کو یہاں سے ہزاروں میل دور میں اپنے کمرے میں بیٹھا اپنے پہلے پیار کو۔— تمہیں۔— اور پیار کے پہلے شر۔— پیرس کو یاد کروں گا۔ کرمس کی شام کو جو تفصیلات تم نے مجھے بتائی ہیں وہ میرے ذہن میں یاد کروں گا۔ تم اپنے کمرے میں کرمس درخت کی شاخوں اور چوپوں کو چھو کر گھوم رہی ہوں گی۔ تم اپنے کمرے میں کرمس درخت کی شاخوں اور چوپوں کو چھو کر دیکھنا ان میں حدت ہو گی۔ میرے احساس کی لویہ طویل فاصلے طے کر کے تم تک پہنچ جائے گی۔ تم اکیلی نہیں ہو گی پاسکل!“

”کرمس تک نہ سی چند ہفتے تو اور ٹھہر جاؤ۔“ پاسکل کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بوئی بہہ نکلی۔

”نہیں پاسکل! پیرس میں میرے قیام کی طوالت سے یہ جذبات اور بھی شدید ہو جائیں گے اور پھر ہم دونوں کے لیے اس لمحے کا سامنا کرنا بے حد دشوار ہو جائے گا جس سے کسی صورت بھی مفر نہیں۔“

”سنان اگر میں اپاچ نہ ہوتی تو کیا تم اپنا ارادہ بدلتے ہیے؟“

”تم اور اپاچ؟“ سنان نے اسے اپنے قریب لاتے ہوئے کہا ”میں نے پہلے بھی تمہیں بتایا ہے تم اپاچ نہیں ہو۔ اپاچ تو میں ہوں جو تمہیں اپنا لینے کی خواہش کے باوجود ایسا نہیں کر سکتا۔“ اس کی آواز بھرا گئی۔

پاسکل نے سفید بر ساتی کے کونوں کو مٹھیوں میں بھیجن رکھا تھا جیسے وہ اس سے جدا نہ ہونا چاہتی ہو۔

”میں جو کچھ بھی ہوں۔ جیسا بھی ہوں لیکن میں نے آج تک جان بوجھ کر کسی کو دھوکا نہیں دیا۔ تم جو مجھے اتنی عزیز ہو میں تم سے بھی کوئی غلط وعدہ نہیں کرنا چاہتا۔ پاسکل میں کرمس تک یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ بھی نہیں لے جا سکتا۔ چند روز تک میں پیرس سے چلا جاؤں گا اور جتنی جلدی تم اس حقیقت کا سامنا

کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اتنا ہی یہ ہم دونوں کے حق میں بہتر ہو گا۔“

”جو کچھ میں نے کہنا تھا وہ کہہ چکی۔ تم نے جو مجبوریاں بیان کی ہیں میں انہیں سمجھ تو نہیں سکی۔ بہر حال تم کہتے ہو تو ٹھیک ہی کہتے ہو۔ اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔ اندھیرا ہو چلا ہے“ پاسکل نے اٹھنے کی کوشش کی۔

”نہیں ابھی نہیں“ سنان نے اس کے کندھوں کو مغبوطی سے کپڑا لیا ”پہلے تم وعدہ کرو کہ تم میرے جانے سے ادا نہیں ہو گی۔“

”میں آئے والے کل کے بارے میں کیسے وعدہ کر سکتی ہوں؟“

”ابھی تو چند روز تک میں یہیں ٹھہرول گا۔ ہم روزانہ ٹھیں گے اور ہر نیا دن ہمارے لیے اتنا ہی خوبصورت ہو گا جتنا آج تھا۔ یہ تو سوچو کہ آئے والے کل کے بعد ہزاروں کل اور آئیں گے بقول تمہارے آئے والی صدیاں! اور ان طویل برسوں میں کیا تمہیں اس احساس سے خوشی حاصل نہ ہو گی کہ کم از کم ہم دونوں نے اتنے خوبصورت لمحے اس شہر میں۔ میں کے کناروں پر اکٹھے گزارے تھے۔ اور پھر یہ احساس کبھی بھی تم سے جدا نہ ہو گا۔ ہیشہ کے لیے۔ آج سے ایک سال بعد۔ دس سال بعد۔ ہزاروں میل دور ایک ایسا شخص ہو گا جو تمہیں اس لمحے بھی یاد کر رہا ہو گا۔ ان دونوں کی مسرتیں اس کے دل میں ایک الیسی لو جلانیں گی جس کی گرمی زندگی کی تاریک اور سرد را ہوں میں اسے سکون اور اطمینان بخشیں گی۔ صرف تمہاری وجہ سے پاسکل۔“

”سنان تم ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہ سوچو کہ میں ان ڈھیر ساری خوبصورت یادوں کے لیے شکر گزار نہیں ہوں۔ میں تو بہت ہی خوش قسمت ہوں۔ مجھے تم نے اتنی خوشیاں دی ہیں کہ میں ان کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ صرف۔۔۔ میں بھی تو انسان ہوں۔ میرے اندر بھی دوسرے انسانوں کی طرح خواہشیں سراخھاتی ہیں۔ مجھے ایک خوشی ملتی ہے تو میں اس کے دوسرے سرے پر جا کر ایک اور خوشی کی تلاش کرتی ہوں اور پھر اسی طرح میرا بھی چاہتا ہے کہ خوشیوں اور مسرتوں کا یہ سلسلہ بھی

نہ ہونے پائے"

"یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا پاسکل! خوشی اورطمینان کے ان لمحوں کو اپنے اندر مولو۔ تمہارے اندر بھی جو لو جل رہی ہے وہ ان لمحوں کو ہیشہ تباہا کر کے گی۔"

"تم ٹھیک ہی کہتے ہو سنان۔ میں پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہی ہوں اور اب میرے لیے تم سے جدائی کا تصور اتنا انت ناک نہیں رہا۔ کم از کم اب اس وقت۔"

"آج کا دن کتنا خوبصورت تھا؟ کل بھی ایک ایسا ہی دن آئے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ بس اب تم یہ آنسو پوچھو ڈالو۔ بلکہ۔ سنان نے جیب سے رومال نکال کر پاسکل کی آنکھوں پر رکھ دیا۔ پاسکل نے رومال اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اپنے آنسو پوچھنے لگی۔ رومال پر لگی ہوئی تھوڑی سی مٹی پاسکل کے گالوں پر بھی لگی۔

سنان نے جیب سے سُگرٹ نکال کر لگا لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پاسکل نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور مسکرا کر اپنے ہاتھ پھیلا دیے۔ سنان نے آگے بڑھ کر اسے سارا دیا اور وہ اٹھ کر چلنے کی بجائے خاموشی سے اس کے ساتھ آگئی۔ کئے ہوئے منہری بالوں میں خوشبو تھی۔ زرد گلاب کی خوشبو۔ سنان نے دیرے سے اپنا ہاتھ اس کی گردان پر رکھ دیا۔

"تمہارا ہاتھ بے حد سرد ہے!" سنان نے پاسکل کے جسم کی تھرثارہٹ محسوس کی اور فوراً ہاتھ پرے کر لیا۔

"نہیں نہیں" پاسکل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر اپنی گردان پر رکھ لیا "رہنے دو۔ مجھے اچھا لگتا ہے۔ ابھی پرسوں کی ہی تو بات ہے تم نے اپنا ہاتھ اسی طرح میری گردان پر رکھا تھا۔ یوں لگتا ہے جیسے صدیاں بیت گئی ہوں" اس نے سنان کے کوٹ کے بین ایک ایک کر کے کھولے اور بڑے مرے سے اپنا چہرہ اس میں چھپا لیا۔

"کل صحیح اگر میرے کوٹ پر ایک منہری بال انکا ہو تو تم ہنگامہ نہ بپا کرو یا

کیونکہ وہ تمہارا ہی ہو گا۔“ سنان کے لب اس کے نرم اور گھنے بالوں میں تھے۔
گلاب کی نرم پتیوں میں۔

”ایک بال نہیں — درجنوں ہوں گے“ اس نے سنان کے سینے پر سر رکھ کر
نور سے دبایا۔

بوئے ڈی بولوں کا سرمی اندھیرا اب تاریکی میں بدل چکا تھا۔ دریا کے دامے
کنارے پر رہائشی مکانوں اور پانی میں ساکن رہائشی کشتیوں کی روشنیاں جل رہی
تھیں ان روشنیوں کے جھلملاتے عکس کے علاوہ پورا دریا ایک سیاہ چادر کی طرح تھا۔
ہوا میں بے حد خنکی تھی۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں چلتا چاہئے“ سنان نے آہستہ سے اپنا منہ اس کے
بالوں میں رکھتے ہوئے کہا ”ہر طرف تاریکی ہے۔“

”میں تو تمہارے کوٹ میں چڑھا چپائے ہوئے ہوں۔ یہاں بے حد سکون ہے
مجھے معلوم ہے کہ اگر میں نے باہر دیکھا تو واقعی ہر طرف تاریکی ہو گی۔“

”تم ساری زندگی یونہی میرے کوٹ میں چڑھا چپائے تو نہیں گزار سکتیں؟ تھیں
کبھی نہ کبھی تو باہر دیکھنا ہی ہو گا۔“

”ہاں کبھی نہ کبھی — مگر ابھی نہیں“ پاسکل کا موڑ اب کافی حد تک بحال ہو چکا
تھا۔

ہر طرف خاموشی تھی۔ چند روشنیاں۔ دریا کی لہوں کا ہلکا سا ارتقاش اور ان
دو نوں کی سرگوشیاں، اس مکمل سکوت میں دور سے پانی کی سطح پر تیرتی ہوئی موسیقی کی
ایک تان ان تک پہنچی۔ دھیسے سروں میں — اور پھر اسی لمحے وی آنا کے ایک مشور
والڑ کی دھن پورے ماحول پر حادی ہو گئی۔ لہوں کا تلاطم زیادہ ہوتا تو دھن ایک لمحے
کے لیے قدرے دب جاتی اور پھر ابھر آتی۔

”وی آنا کے جنگل“ کی دھن ”پاسکل نے سرگوشی کی۔

”ہاں! ایک دو تین اور گھوم جاؤ۔“ سنان کے کافی بھی دھن پر گئے تھے۔

”ایک دو۔۔۔ نان؟“ پاکل نے یکدم اپنا چہرہ کوٹ میں سے باہر نکلا اور اسے جنہوں کرنے لگی ”یاد ہے اس روز دریائے سین کے کنارے میں نے تمہیں رقص سکھانے کی پیش کش کی تھی۔“

”ہاں!“ نان گھبرا گیا۔

”اور پھر تم بے حد بزدل لکھے اور خواہ مخواہ اعتراض کیا کہ موسيقی کے بغیر رقص نہیں کیا جا سکتا۔ ہوں؟“ پاکل نے شوخی سے کہا۔

”نان خاموش رہا اسے معلوم تھا کہ اس کے بعد وہ کیا کرنے والی ہے۔“

”یہاں تو موسيقی بھی ہے نا! زرا غور سے سنو بے حد خوبصورت دھن ہے دریا کے دوسرے کنارے پر شاید کسی ہاؤس بوٹ میں پارٹی ہو رہی ہے“ پاکل نے اپنے کان دھن پر لگا دیے۔

”لیکن یہاں تو اس قدر تاریکی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دلتا۔“

”ایک ہاتھ تمہاری کمر پر۔۔۔ اور دوسرے تمہارے کندھے پر“ پاکل نے پیچھے ہٹ کر کہا۔ ”رقص دیکھ کر نہیں بلکہ محسوس کر کے کیا جاتا ہے۔“

”پاکل۔۔۔ بھئی پھر کبھی سی۔۔۔ رات بہت ہو چکی ہے۔“

”اعتراض کی کوئی منجانش نہیں۔۔۔ تم اس طرح میرا ہاتھ تھام لو۔“

پاکل اسے رقص سکھانے پر تملی ہوئی تھی۔ نان نے مجبوراً ہتھیار ڈال دیے اور اس کی ہدایت کے مطابق اس کا ایک ہاتھ تھام لیا اور دوسرے کمر کے گرد ڈال دیا۔

”اب کیا حکم ہے؟“ نان نے اکڑوں کھڑے ہو کر دریافت کیا۔

”اب؟ اور اب تم دھن کے اس حصے کا انتظار کرو جہاں والٹنیں قدرے رک کر دوبارہ ابھرتی ہیں“ اس نے بڑے غور سے موسيقی سنی اور پھر ایک جھکٹے سے نان کو آہستہ سے ایڑیوں پر گھما یا اور رقص شروع کر دیا۔ ”ایک دو تین اور پھر۔۔۔ گھوم جاؤ۔۔۔ ایک دو تین۔۔۔ بالکل آسان ہے“ اس کے ساتھ ہی پاکل زیر لب

وہی دھن گنگنا نے لگی "ہوں — اول — ہوں ہوں"

پہلے پہل تو سنان کا ہر قدم ہی غلط اٹھتا رہا اور وہ ہر بار پاسکل کا پاؤں مل رہا
لیکن وہ ایک اچھی اسٹاد کی طرح بالکل ٹکایت نہ کرتی۔ رقص کے دوران میں اس
کے قدم اتنے پتے تھے کہ یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ وہ اپاچ ہے۔

"تمہوں پر زیادہ دھیان نہیں دیتا چاہئے۔ تم موسمی غور سے سنو قدم خود ہو
اٹھتے چلے جائیں گے۔" پاسکل نے اسے گھماتے ہوئے ہدایت دی۔

تحوڑی سی مشق کے بعد سنان کو محسوس ہوا کہ یہ والٹر کچھ اتنا مشکل رقص نہ
ہے۔ بس تین تک گلتے جاؤ اور گھومتے جاؤ۔ اب وہ پاسکل کو باہوں میں لے لیے بڑی فو
اعتمادی سے قدم اٹھانے لگا۔ اس کے کان والٹنوں کی مدد بھری تانوں پر لگے تھے۔

"تم تو بڑا اچھا رقص کر لیتے ہو" پاسکل اپنا سر پیچھے ڈال کر بہس دی۔

"شکریہ میڈم" سنان ایک لمحے کے لیے رکا۔ اپنے آپ کو پاسکل کی باہوں سے
آزاد کیا اور جھک کر کورٹش بجالایا۔

پاسکل بھی بڑی سمجھی سے جواباً جھک گئی اور پھر نری سے اس کے بازوں میں ٹا
گئی۔

"تمہارے ہاں بھی تو لوگ رقص کرتے ہوں گے؟"

"ہاں کرتے ہی ہیں"

"تو پھر تم مجھے پاکستانی رقص سکھا دو" پاسکل نے مچل کر کہا۔

"میں نے یہ نہیں کما تھا میں بھی کر سکتا ہوں"

"تم دراصل مجھے سکھانا ہی نہیں چاہتے — بزدل!" پاسکل نے اسے چیڑا اور
پھر اتنی زور سے گھمایا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔

دریا کی پر سکون سطح پر ایک خوبصورت اور روشن کشتی آہستی سے تیر گئی۔
ایک بڑی ہاؤس بوٹ تھی۔

"آج میں بھی رقص کر سکتی ہوں" پاسکل نے سرگوشی کی۔

تمہوڑی دیر بعد گھنے درختوں کی اوٹ سے چاند نکل آیا اور دریا کی سطح پر ایک
رہپلی قایلین بچھ گیا۔ شاہ بلوط اور بید کے درختوں کے پتے چمکنے لگے۔ موسيقی کب کی
نم ہو چکی تھی مگر اب اس کی جگہ پاسکل کی مترجم گلنگاہت نے لے لی تھی۔
”اوہ— میں اب بے حد تحک گئی ہوں“ پاسکل ہاتھ چھوڑ کر اس کے ساتھ

لگ گئی۔

دریائے سین کے کنارے والتر کا پہلا سبق ختم ہو چکا تھا۔
”پاسکل؟“ سنان نے ٹھوڑی تسلی انگلی رکھ کر اس کا چہرو اپنی طرف کیا۔
”کیا ہے سنان؟“ پاسکل نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا۔
”تم یہ جان لو کہ میری سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ میں تمہارے پاس
کرمس تک رہوں۔ میں دل و جان سے یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو
گرے۔“

”پلیز سنان“ پاسکل نے اس کے لبوں پر انگلی رکھ دی ”پلیز اب کچھ مت کو۔
میں تمہاری یہ خواہش کے مطابق اداں نہیں ہونا چاہتی۔“
سنان نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے گرم لبوں سے لگایا۔ پاسکل کا ہاتھ بالکل
سرخ تھا۔

”یاد ہے ڈاکٹر نے تمہیں آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے اور اس طرح آدمی رات
کو دریا کے کنارے رقص کرنے کو تو آرام نہیں کہا جا سکتا۔ تمہیں سردی لگ جائے
گی۔“

پاسکل خاموشی سے اپنی ستواں تاک سنان کے سینے پر رکھتی رہی اور چکے چکے
نہتی رہی۔

”پاسکل تمہاری خالہ—“
”ہاں خالہ—“ پاسکل ایک دم چوکی اور اپنے آپ کو سنان کی گرفت سے علیحدہ
کر کے کئے گئی ”غلطی ہو گئی۔ میں نے تو انہیں کہا تھا کہ میں شام ہونے سے پہلے یہ

لوٹ آؤں گی۔۔۔ وہ یقیناً پریشان ہو رہی ہوں گی۔۔۔"

"تو پھر چلتے ہیں" اس نے اپنا ہاتھ پاسکل کے کندھوں پر رکھ دیا اور وہ آہن
آہستہ ان سیڑھیوں کی طرف بیٹھنے لگے جو اپر سڑک تک جاتی تھیں۔

"مارے ہاں وہ جسی اور کنڈیاں؟" پاسکل نے ایک دم رک کر اسے یاد دلایا۔

"انہیں وہیں دریا میں رہنے دیتے ہیں۔۔۔ کسی کچھوے کے کام آئیں گی" سنان لے
ہنس کر کہا۔۔۔ پاسکل بھی ہنس دی اور پھر چلانا شروع کر دیا۔۔۔

سیڑھیاں طے کر کے جب وہ سڑک پر پہنچ تو پاسکل آہستہ چلنے کے باوجود حمل
سے بڑھاں ہو رہی تھی۔۔۔ کار میں بیٹھ کر اس نے تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر ایک
محنڈی سانس بھر کر بولی "سنان تمام خوبصورت چیزوں کا انجام خوبصورت کیوں نہیں
ہوتا؟" اور پھر کار شارٹ کر دی۔۔۔ سنان اس کی یہ بات نہ سمجھ سکا۔

"تم یہاں سے سیدھی اپنے فلیٹ پر چلی جاؤ۔۔۔ خالہ انتظار کر رہی ہوں گی۔۔۔ میں
نیول کے پل تک پیدل چلا جاتا ہوں وہاں سے ٹرام مل جائے گی۔۔۔"

"اوہ نہوں" پاسکل نے سرہلاایا "میں تمہارے مکان تک چھوڑ کر ہی آؤں گی۔۔۔
تم نے آج رقص کرنا سیکھ لیا ہے اس لیے اب میں پیرس جیسے شریں اکلے
گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔۔۔"

نیول کے پل کے پاس پہنچ کر جب وہ دائیں ہاتھ مڑے تو ایونینوفاک کی تمام
روشنیاں منور تھیں اور ٹرینک کا بے پناہ ہجوم تھا۔۔۔ تمام دن سورج کی گرم کرنوں میں
سلکنے کے بعد پیرس ایک مرتبہ پھر بیدار ہو چکا تھا۔۔۔ سنان سوچ رہا تھا کہ وقت نہیں
تمہا۔۔۔ سین کے پانی میں بڑی ہوئی ساکن کنڈیاں اور پاسکل کا سفید لباس اب خواب کی
باتیں لگ رہی تھیں۔۔۔ ایک سراب!

کار فتح کی محراب کے بڑے چکر میں داخل ہوئی تو پاسکل سنان کی طرف دکھ کر
بے اختیار ہنس دی۔۔۔

"نکرناہ کرو۔۔۔ میں اب اس چکر کے گرد بے مقصد نہیں گھوموں گی۔۔۔ اب تو میں

”رضی بھی کر سکتی ہوں۔“

”تم اگر مجھے یہاں آتا رہو تو میں پیدل ہی گھر چلا جاؤں گا۔ تمہاری خالہ انتظار کر رہی ہوں گے۔“

”ہاںکل نہیں۔ تمہاری نیت خراب لگتی ہے۔ میں تمہیں گھر تک ہی چھوڑ کر آؤں گے۔“

”تمہاری مرضی“ نان بیچپے ہٹ کر بینچ گیا اور سگرٹ سلاکا لیا۔ ”پاسکل بچھلے چد روز سے تم سارا سارا دن میرے ساتھ گزارتی ہو۔ تمہاری خالہ برا تو نہیں مناتیں؟“

”واہ خالہ“ اس نے سر جھک کر کہا ”انہوں نے تو سیکرے کر کے کلیسا میں مریم کے بیٹتے تلے مومن بتیاں جلا کر شکر کیا ہو گا کہ ان کی بھائی نے بھی بالآخر گھر سے باہر لکھا سیکھ لیا ہے۔“

موہارت کا علاقہ آیا تو وہاں خوب رونق تھی۔ تمام قوہ خانے بھرے پڑے تھے کہیں کہیں موسيقی بھی بج رہی تھی۔

ننان کے مکان کے سامنے بیچنگ کر پاسکل نے فٹ پاتھ کے کنارے پر کار کھڑی کر دی۔ ننان اتنے گا تو اس نے اس کا بازو ٹھام لیا۔

”زندگی میں پہلی بار آج مجھے اس بوجھ کا احساس تک نہیں جس کے تلتے میں ہر وقت پستی رہی ہوں۔ آج میں بھی عام انسانوں کی طرح تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا ہے میں کبھی بھی اپاچ نہ تھی۔ یہ احساس عارضی ہی سی لیکن ننان یہ صرف تمہاری وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں“ پاسکل کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

”شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہئے۔ تم نے مجھے آج رقص جو سکھا دیا ہے“ ننان نے افس کر کر کہا۔

”میرا خیال ہے تمہیں رقص کرنا پہلے سے ہی آتا تھا ورنہ اتنی جلدی نہ سکھے لیتے“ اس کی آنکھیں ابھی تک نہ تھیں۔

”تم بہت تھک چکی ہو پاسکل“ سنان نے اس کے چہرے کو پیار سے چھوڑ ہوئے کہا۔ بہتری ہے کہ جلد از جلد مگر پہنچ کر بستر پر لیٹ جاؤ۔“
”اور مجھے لوری کون نہائے گا؟“ پاسکل نے اپنے آنسو پوچھ ڈالے۔
آج تم اتنی تھک چکی ہو کہ لوری کے بغیر ہی نیند آجائے گی۔ شب بیٹیری!
سنان یہ کہہ کر دروازے کے پاس پہنچا تو پاسکل نے کار کے ہارن پر ہاتھ رکھ دیا۔
”ہارن مت بجاو پاسکل۔ کیس وہ میڈم ٹوی باہر نہ آجائے“ سنان جلدی سے
واپس آگیا۔

”کل کے بارے میں تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔“ پاسکل نے قدرے غصے سے کہا
اور ہارن سے ہاتھ اٹھالیا۔

”کل؟— ڈاکٹر کے مشورے۔“

”پھر کوئے کہ یہ بلیک میل ہے۔ لیکن اگر تم کل مجھے ملنے نہ آئے تو بس پھر
ایسا درد ہو گا۔ ایسا درد ہو گا کہ۔“

”آجائوں گا“ سنان نے فوراً ہارن لی۔

”کتنے بجے؟“ پاسکل خوش ہو گئی۔

”واقعی نوبجے تک آجائوں گا۔ لودر کا عجائب گردی کھینچنے چلیں گے۔“

”ٹھیک ہے“ پاسکل نے خوش ہو کر پھر کار کا ہارن بجا دیا۔

سنان نے دروازے کے پاس پہنچ کر مڑ کر دیکھا تو پاسکل ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھے
اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

”تم جاتی کیوں نہیں؟“

”چلی جاتی ہوں“ پاسکل نے منہ بنا کر کما اور کار شارٹ کر دی۔

”تو پھر کل نوبجے“ سنان نے ہاتھ ہلا کیا اور دروازہ کھول کر اندر آگیا۔

سیڑھیوں پر چڑھتے وقت اس نے ساتھ والے دروازے کی جانب دیکھا۔ ہلا
پاکل تاریکی تھی۔ اس نے نہایت خاموشی سے قفل کھولا اور دبے پاؤں اپنے کمرے

میں داخل ہو گیا۔

کپڑے بدلتے سے پہلے اس نے یونی کمٹکی سے نیچے جوانا تو کار ابھی تک فٹ
پانچ کے ساتھ کمٹی تھی اور اس میں بیٹھی ہوئی پاسکل کی نظریں کمٹکی پر جبی تھیں۔
سان کو دیکھ کر وہ قدرے جیسپ گئی۔
”جاتی ہوں“ اس نے نور سے کما اور پھر کار شارٹ کر کے گلی کی کھڑپر مڑ گئی۔

○○○